

اخبار

جون ۱۹۶۴ء

اس ماہ مسلم اور غیر مسلم ممالک کے ممتاز دینی رہنما اور علماء ایک علمی مذاکرہ میں بون میں جمع ہوئے اس اجتماع کی میزبانی دفاتی جمہوریہ جرمنی کا شعبہ اطلاعات کر رہا تھا۔ مسلم نمائندگان میں الحجۃ المکرمہ کے مذہبی امور کے وزیر، تیونس کے مفتی اعظم، جامعہ آذہر کے صدر کلید شرعیہ اور ایک اور مصری نمائندے عراق سے معہد دراسات اسلامیہ کے شیخ، ملائیشیا سے تعلیمات دینی کے عمید اور پاکستان سے ڈاکٹر فضل الرحمن، عمید مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی شرکت کر رہے تھے۔

اس اجتماع کا ایک خوش آئند پہلو یہ تھا کہ اتنے مختلف ممالک سے اسلامی فکر و نظر کے علمائین ایک جگہ جمع تھے۔ اور وہ بھی مغربی جرمنی کی سرزمین میں۔ مسلم نمائندگان کے بارے میں ایک قابل ذکر بات اور ہے کہ ثقافتی لحاظ سے اس قدر مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے ہوئے بھی وہ ایمان اور عربی زبان (جو سب بلا تکلف بول اور سمجھ رہے تھے) کے گہرے رشتہ میں وابستہ تھے۔

اس اجتماع میں جو جرمن علمائین شرکت کر رہے تھے، عربی نہیں بول سکتے تھے لیکن اس مقصد کے لئے شام سے ایک عربی۔ جرمن ترجمان کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ ان علمائین میں جرمنی کے امور خارجہ کے ایک عہدیدار بھی شامل تھے، جو اپنی انکسارمی اور تواضع کے باوصف اسلامی علوم کے ایک بہت بڑے عالم اور مغربی زبانوں کے علاوہ عربی، فارسی اور ترکی پر بھی عبور رکھتے ہیں۔

جرمن عائدین مذہبی، اقتصادی اور سیاسی، مختلف شعبہ ہائے حیات سے تعلق رکھتے تھے۔ نمائندگان کے سامنے انہوں نے ان تمام شعبہ ہائے حیات میں جرمن عوام کے حالات پر عالمگیر انسانی نقطہ نظر اور رواداری کے جذبات کے ساتھ روشنی ڈالی جو ثقافتوں کے مطالعہ اور دینی اور سیاسی نظام کی باہمی افہام و تفہیم کا واحد کارگر ذریعہ ہے۔

جرمن عائدین نے اپنے ملک کی صورتِ حالات اور نقطہ نظر کی بخوبی وضاحت کی۔ اس وسیع القلبی کے ساتھ وہ دوسروں کے نقطہ ہائے نظر سمجھنے کے لئے آمادہ تھے۔ معلوم یہ ہوا کہ ان کے مسائل بالکل ہی مختلف حالات کی پیداوار ہوتے ہوئے بھی تعجب انگیز حد تک ایک دوسرے سے متشابہ تھے چنانچہ ضرورت تھی کہ ان مسائل کے حل بھی اسی طرح ہر پہلو سے جامع اور مانع ہوں۔ مثال کے طور پر تقسیم جرمنی کا مسئلہ بنیادی طور پر ایک سیاسی نوعیت کا مسئلہ ہے، لیکن اس کا یہ پہلو انتہائی دلچسپ ہے کہ اس کی وجہ سے کئی شدید مذہبی مسائل پیدا ہو گئے اور اسی سیاسی اور مذہبی پیچیدگی کی بنا پر ان زعمائے جرمنی کو اپنے سے بھی خطاب کرنا پڑا۔ جرمنی کی مشرقی اور مغربی تقسیم سے ہر شخص واقف ہے اور دلی طور پر ہر جرمن باشندہ کی یہ خواہش ہے کہ جرمنی ایک بار پھر متحد ہو جائے۔ اس مسئلہ کو دوسری طرح ذہن نشین کرنے کے لئے نمائندگان کو برلن کو منقسم کرنے والی دیو ایسچی دکھلائی گئی، جس سے کئی اہم انگیز پہلو سامنے آئے مسلم نمائندگان نے اس البیہ پر گہری توجہ دی اور جذبہ اخوت کا اظہار کرتے ہوئے فلسطین اور کشمیر میں اسی قسم کی دیواروں کو یاد کیا۔

الجزائر کے وزیر مذہبی امور، جناب المدنی نے، جو مسلم نمائندگان کی طرف سے ترجمانی کے فرائض بھی سرانجام دے رہے تھے، فلسطین اور کشمیر کا ذکر اگرچہ نام لے کر نہیں کیا، البتہ اس موقع پر اپنی تقریر میں انہوں نے ”عالم اسلام میں مصنوعی دیواروں“ کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا۔ جس میں متعدد موضوعوں پر غیر رسمی طور پر انہوں نے بڑی شہرہ سے اس بات کو دہرایا کہ فلسطین اور کشمیر صرف مسلم ہی نہیں، بلکہ ”اسلامی“ مسائل ہیں۔

جرمنی کی سیاسی صورتِ حال کے نتیجے میں کئی خصوصی نوعیت کے مذہبی مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ ان میں سے ”ریاست اور مذہب کے باہمی ربط کا مسئلہ“ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس مسئلہ کا یہ پہلو سبق خیز ہے کہ مغرب کے اپنے لادینی نظریے کے عین برعکس، جرمنی میں ریاست

اور مذہب کے مابین زیادہ سے زیادہ گہرے تعلق کی حمایت کا رجحان نہایت واضح اور بہت شدید ہے۔

اجتماع سے پہلے نمائندگان نے برلن میں پروٹسٹنٹ بشپ دیبالیوس سے ملاقات کی مشرقی جرمنی کی حکومت نے ان کا داخلہ اپنے ہاں ممنوع قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بعض بنیادی مفہومات مثلاً ”امن“، ”فرد کی تعریف“ کے بارے میں اشتراکی حکومت کو ان کے تصورات سے اتفاق نہیں تھا۔ بہر کیف ریاست، دینی تصورات سے اس طرح الگ تھلاک نہیں کر سکتی جس طرح لادینی ریاست کے حامی سوچتے آئے ہیں۔

جب نمائندگان نے ہر جیسٹینیر، لون کی وفاقی پارلیمنٹ کے صدر سے ملاقات کی تو یہ مسئلہ ایک مرتبہ پھر موضوع بحث بنا۔ آپ الہیات کے سنجیدہ عالم ہیں۔ ہر جیسٹینیر نے کہا کہ مغربی معاشرے میں مذہب سے بے رغبتی عام ہے اور لوگ گرجاؤں میں نسبتاً بہت کم جاتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں مسلم ممالک میں مسجدوں کی حاضری کے بارے میں ان کا تجربہ قطعی مختلف رہا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب نے کہا کہ ”اسلام ابتدا ہی سے ایسا مذہب رہا ہے جو انسان کی صرف انفرادی زندگی ہی نہیں بلکہ اس کے سیاسی اور سماجی سطح پر اجتماعی وجود کی ہدایت کا بھی قائل رہا ہے۔ چنانچہ اسلام کے ہاں، معاشرے کو لادینیت کی طرف لے جانے والے عوامل کا انسداد عیسائیت سے کہیں زیادہ ہے“

”داس اسٹ وار“ (یہ سچ ہے)۔ فاضل الہیات صدر وفاقی پارلیمنٹ نے کہا پاکستان کے نمائندے نے مزید کہا ”تاہم معاشرے کی صنعت کی طرف روز افزوں رجحان سے لادینی کی جو راہیں کھلتی جا رہی ہیں، ان سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا“

سب نے اتفاق کیا کہ بہر حال یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے حل کی ذمہ داری ان تمام لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو دین کے پیش کردہ ماورائے مادہ اصول اور اقدار کے قائل ہیں۔ جہاں مغربی جرمنی میں لادینی کے خلاف رد عمل کی موجودگی سے بہت خوش تھے۔ صدر بندستگ نے پاکستان کے اسلامی ریاست کی حیثیت سے تجربہ میں خصوصی دلچسپی کا اظہار کیا اور کہا ”اس ضمن میں پاکستان کے ہر قدم کو ہم انتہائی اہتمام سے دیکھیں گے، کیونکہ واقعہ اس کی ہر جنبش بے عدام ہے“

معاشرے پر مذہب کے عملی اثرات کہاں تک ہیں؟ اور اس فقار کے لئے کونسے اصول اور کیا عمل موثر و ریعد ثابت ہو سکتا ہے؟ ان سوالات کے بارے میں افہام و تفہیم کے لئے شرکائے اجلاس کے پاس متعدد تجربات موجود تھے۔ اس بارے میں نہایت ہی عالمانہ اور نتیجہ خیز بحث و نتیجہ منیج سے تقریباً تیس میل کے فاصلے پر، ٹوسنگ تھیل کے کنارے ”قصر ٹوسنگ“ میں ہوئی۔

یہ قصر ایک پروٹسٹنٹ اکاڈمی کے پاس ہے جس کی کوششوں سے جرن مساشرت کے مختلف پہلوؤں پر ہمیش قیمت کام ہوتا ہے۔ یہ مجلس ہر سال باقاعدہ مذاکرات کا اہتمام کرتی ہے (ایک سال میں تقریباً ساٹھ) اور ایک سالانہ چرچہ شائع کرتی ہے۔

ان مذاکرات میں وہ برسرِ اقتدار سیاست دانوں، پارلیمنٹ میں حزب مخالف کے اراکین، اور ملک کے دوسرے سیاسی دانشوروں کو دعوت دیتی ہے اور اس طرح ان کو ملکی مسائل پر بے تکلفی سے دوستانہ مضامین بحث کا موقع فراہم کرتی ہے۔ موضوعات میں ”منصورہ بندی“ کی طرح کے مسائل بھی شامل ہیں۔ اراکین نے اہترات کیا کہ وہ ”مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی، کراچی“ سے بھی کافی استفادہ کر رہے ہیں، خصوصاً ادارہ کے رسائل سے وہ بے حد متاثر تھے۔

مہمان ”کمپ انڈسٹریل ایسن اور بریمین کی حکومت میں بھی گئے، مسلم نمائندگان نے ہمبرگ کونسل، برلن اور یونین یونیورسٹیوں میں اسلامی علوم کے ماہرین اور مستشرقین سے بھی ملاقات کی۔ بروکسیر ایسے میری شمل سے تجدید ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا۔ آپ پاکستان سے خصوصی محنت رکھتی ہیں۔

اس اجتماع میں شرکت کرنے والے مسلم ممالک کے لئے یہ بہت ہی غنیمت موقع تھا کہ انھیں اپنے ملکوں کے مسائل کے بارے میں باہمی گفت و شنید کا موقع ملا جس سے کئی اہم انکشافات ہوئے مثلاً یہ کیتونس کے مشہور اور قدیم مدرسہ جامعہ زیتونہ کے نصاب میں قدیم مفکرین کے ساتھ علامہ محمد اقبال کے دینی نظریات کا مطالعہ بھی شامل نصاب ہے۔ اسلامی دنیا کے دوسرے دینی مدارس میں بھی اقبال کا مطالعہ عام ہے۔ کیا یہ ہماری بدقسمتی نہیں کہ پاکستان کے دینی مدارس میں جو نصاب رائج ہیں ان میں علامہ اقبال کا ذکر بھی نہیں آنے پاتا۔ یہ بجائے خود اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ علمائے پاکستان کا نقطہ نظر مشرق وسطیٰ کے علما سے کس قدر مختلف ہے؟ خدا کرے یہ دونی ختم ہو جائے اور جس قدر جلد ختم ہو اسی قدر بہتر ہے۔